حضرت مولانا سعد صاحب پر ہونے والے
اعتراضات کی تحقیق

(از: مولانا محمد سلمان صاحب، مظاہر علوم سہارنپور)

(۲۲ ربیع الاول/ ۱۴۳۸ھ)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد: گذشتہ دنوں عزیز محترم مولانا محمد سعد صاحب سلمہ اللہ تعالی کے تبلیغی بیانات کے بعض قابل اشکال اقتباسات کے سلسلہ میں احقر نے اپنے بعض ذی علم احباب کو جن میں استاذ حدیث بھی تھے، اس بات کی طرف متوجہ کیا تھا کہ عزیز محترم سلمہ اللہ تعالی کی طرف سے آئی ہوئی تحریر جن میں انھوں نے اپنے بیان کے اصل اور مراجع کا ذکر کیا ہے لیکن ان میں اجمال بھی ہے، اور زیادہ تر اشارات ہیں، وہ ان معلومات کی تفصیل کے ساتھ تحقیق فرمائیں۔ خاص طور سے حوالہ جات کو جمع فرمادیں، تاکہ واقعی کوئی چیز قابل اصلاح ہو، تو اسکی اصلاح کرلی جائے۔ کہ کہیں کوئی غلط بات امت میں نہ چل پڑے۔ چنانچہ احباب نے اسکی تحقیق بھی کی، اور حوالہ جات جمع بھی کیے۔

اب ترتیب وار اعتراضات اور ان کے جوابات، یا رجوع پیش کئے جاتے ہیں۔

اعتراض (۱۔۲) مولانا کے بیانات کے بعض اقتباسات پر بعض علماء کرام کو تفسیر بالرائے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شانِ اقدس میں بے ادبی کا اشکال ہوا۔

جواب: تفسیر بالرائے قرآن کریم کے معانی و مراد کو واضح کرنے میں جو بات محض

عقل کی بنیاد پر کہی جائے ،جس کا قرآن وسنت کے علوم سے کوئی تعلق نہ ہو، اسکوتفسیر بالرائے کہتے ہیں۔

معارف القرآن (۱/۴۷) میں بحوالہ اتقان مآخذ تفسیر (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اقوال صحابہ (۴) وتابعین اور (۵) لغتِ عرب کو بیان کرنے کے بعد تحریر ہے کہ: تفسیر کا آخری ماخذ تدبر اور استنباط ہے، قرآن کریم کے نکات و اسرار ایک ایسا بحر ناپیدا کنار ہے جس کی حد نہایت نہیں۔ چنانچہ جس شخص کو اللہ تعالی نے اسلامی علوم میں بصیرت عطا فرمائی ہو، جتنا جتنا اس میں غور وفکر کرتا ہے، اتنے ہی نئے نئے اسرار ونکات سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ مفسرین کرام اپنے اپنے تدبر سے نتائج بھی اپنی تفسیروں میں بیان فرماتے ہیں۔لیکن یہ اسرار ونکات اسی وقت قابل قبول ہوتے ہیں جب کہ وہ مذکورہ بالا پانچ مآخذ سے متصادم نہ ہوں۔

عصمتِ انبیاء علیہم الصلوات والسلام۔

اس نازک مسئلہ کے حوالے سے حضرات اہل علم کی بعض عبارتیں پیش ہیں۔

علامہ قرطبی اپنی تفسیر (۱۴/۱۵۲) میں فرماتے ہیں وقال بعض المتأخرين من علمائنا: والذى ينبغى ان يقال ان الله تعالى قد اخبر بوقوع ذنوب من بعضهم ونسبها اليهم وعاتبهم عليها واخبروا بذلك عن نفسوهم وتنصلوا منها واستغفروا منها وتابوا ۔ وكل ذلك ورد في مواضع كثيرة لا يقبل التاويل جملتها وان قبل ذلك آحادها وكل ذلك مما لا يزرى بمناصبهم وانما تلك الامور التي وقعت منهم على جهة الندور

وعلى جهة الخطأ والنسيان او تاويل دعا الى ذلك فهى بالنسبة الى غيرهم حسنات وفي حقهم سيأت بالنسبة الى مناصبهم وعلو اقدارهم اذ يؤاخذ الوزير بما يثاب عليه السائس فاشفقوا من ذلك في موقف القيامة مع علمهم بالامن والامان والسلامة قال وهذا هو الحق ولقد احسن الجنيد حيث قال حسنات الابرار سيئات المقربين فهم صلوات الله وسلامه عليهم وان كانوا قد شهدت النصوص بوقوع ذنوب منهم فلم يخل ذلك بمناصبهم ولا قدح في رتبتهم بل قد تلافاهم واجتباهم و هداهم ومدحهم وزكاهم واختارهم واصطفاهم صلوات الله عليهم وسلامه۔

اسی سلسلہ میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ (فیض الباری ۵/۲۱۱) پر تحریر فرماتے ہیں ثم ان ههنا سرا وهو ان تلک کلمة صدرت من غاية لطفه ونهاية محبته وفرط علاقته مع الرسل فان الالزام لا يعطى الالمن يرجى منه خلافه اما من لا اعتماد لك عليه فانت لا تلقى له بالا ولا تعنفه ولا تـلـومـه ولا تعاتبه بشئ ولكن من كان صاحب سرك فانت لا تغفر له ادنى غفلة عنك وتؤاخذه بالنقير والقطمير۔

مندرجہ بالا عباراتِ علماء سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعض باتیں جو عامیوں کیلئے جائز ہوتی ہیں وہ مقربین و متعلقین کیلئے وجہِ عتاب بن جاتی ہیں۔ اور یہ عتاب انکے تقرب الی اللہ اور تعلق مع اللہ کی دلیل ہوا کرتا ہے، جو انھیں عام مسلمانوں سے

ممتاز کرتا ہے۔

جن آیات کی تفسیر کے پیش نظر مندرجہ بالا دونوں اعتراض تفسیر بالرائے یا عصمتِ انبیاء وارد ہوئے ہیں، اب ان آیات کی تفسیر درج کی جارہی ہے۔

(۱) آیت قرآنی وما اعجلك عن قومک یاموسی (سورۃ طٰہٰ ۸۵)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم اور جماعت کو چھوڑ کر حق تعالیٰ کی مناجات کیلئے جلدی چلے گئے تھے، جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کے پانچ لاکھ اٹھاسی ہزار افراد گمراہ ہو گئے۔

مولانا نے بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب حضرت موسیٰؑ کی جس عجلت کو سمجھا بہت سے اکابر مفسرین اسی کے سبب ہونے کی تصریح کر رہے ہیں پھر یہ بے ادبی کیسے ہوئی؟

چنانچہ امام رازی اپنی تفسیر (جلد ۲۲، صفحہ ۹۸) میں تحریر فرماتے ہیں۔

وعلى الآية اى وما اعجلك عن قومک يا موسى سؤالات - السؤال الاول قوله: وما اعجلك استفهام وهو على الله محال الجواب انه انكار فى صيغة الاستفهام ولا امتناع فيه- السؤال الثاني: ان موسى عليه السلام لا يخلواما ان يقال انه كان ممنوعا عن ذلك التقدم اولم يكن ممنوعاعنه فان كان ممنوعاكان ذلك التقدم معصية، فيلزم وقوع المعصية من الانبياء وان قلنا انه ماكان ممنوعاكان ذلك الانكار غير جائز من الله تعالى- والجواب لعله عليه السلام ما وجد نصا فى

ذلک الا انه باجتهاده تقدم فاخطأ فی ذلك الاجتهاد فاستوجب العتاب۔

تفسیر بیضاوی (۲/۲۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) میں ہے: (وما اعجلک عن قومک یا موسی) سؤال عن سبب العجلة یتضمن انکارها من حیث انها نقیصة فی نفسها انضم الیها اغفال القوم وایهام التعظم علیهم۔

اورغوث ربانی امام صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی اپنی تفسیر جو کہ مکتبہ معروفیہ کوئٹہ پاکستان سے چھپی ہے اس آیت کی تفسیر (۳/۱۵۸۔۱۵۹) میں تحریر فرماتے ہیں۔ فقال له سبحانه تنبیها علی استعجاله واضطرابه في أمره (وما أعجلك عن قومك) ای شئ أسبقك (عن قومك) المستکملین برفاقتک (یا موسی) المرسل لتکمیلهم بل من حقك أن تجئ معهم مجتمعین۔ قال تبارك وتعالی: اذا فارقتهم وترکتهم صرت سببا لوقوعهم فی البلاء العظیم (فاناقد فتنّا)ابتلینا(قومک) الذین أبقیتهم مع أخیك أی بعد خروجك من بینهم بعبادة غیرنا فأشرکوا بنا۔

اورشیخ اکبرعلامہ ابن عربی اپنی تفسیر (ج ۲،صفحہ ۵۵) میں فرماتے ہیں۔وما اعجلك عن قومك الی قوله۔ في الیم نسفا۔ معناه علی التحقیق، ان موسی علیه السلام لماشرف بمقام المکالمة واوتی کشف الصفات، وبعث لانقاذ بنی اسرائیل، وارشادهم الی الحق، وعد شریعة یسوس

بها قومه، فاستخلف هارون على قومه، وتخلى للمراقبة قبل تثبتهم على الايمان وتقريرهم على الحق بالايقان فعوقب على تلك العجلة، وان كانت من غاية الشوق الى المشاهدة، واقتضاء المقام عدم التفرغ الى تكميل الغير لان في تكميلهم بالمعرفة اليقينية، والكمال العلمى ثبات قدمه في الطاعة وامتثال الامر المستلزم الترقى في الحال، فاعتذر بكونهم على متابعة في الدين وان لم تبن معاملتهم على اساس اليقين۔

اورتفسیر مظہری (۱۵۶/۶، زکریا بکڈپو دیوبند) میں ہے:فان قيل "فانا قد فتنا" مرتب على قوله "عجلت اليک" والتقدير اذا عجلت الى فاناقد فتنا قومك وهذا الكلام يقتضى كون العجلة سببا للفتنة اذالفاء للسببية فما وجه هذه السببية قلت لعل وجه ذلك ان الانبياء عليهم السلام ارسلوا لهداية الخلق بوجهين ظاهرا بدعوتهم الى الاسلام وتعليمهم الاحكام وبا طنا بجذبهم الى الله عما سواه وافاضة نور الايمان والمعرفة في قلوبهم حتى ينشرح صدورهم للايمان ويرؤون الحق حقا والباطل باطلا ولا يتم ذلك الا عند كمال توجههم الى الخلق بشراشرهم ولما كان عجلة موسىٰ الى الله تعالى مبنيا على غلبة المحبة والشوق وسكر ذلك انقطع عند ذلك توجه باطنه عن الامة فحينئذ وقع الامة في الفتنة والضلال۔

اور روح المعانی (۵۹۵۸/۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ) میں ہے: ما اعجلک عن قومک یا موسی الاشارة فیه انه ینبغی للرئیس رعایة الاصلح فی حق المرؤوس وللشیخ عدم فعل ما یخشی منه سوء ظن المرید لا سیما اذا لم یکن له رسوخ اصلا۔

اور روح المعانی (۵۵۲۸/۸، دار الکتب العلمیۃ) میں ہے۔قوله تعالی وما اعجلک۔ مانصه۔ والمتبادر ان یکون للانکار وفي الانتصاف انالمراد من سؤال موسی علیه السلام عن سبب العجلة۔ وهو سبحانه اعلم ان یعلمه ادب السفر وهوانه ینبغی تاخر رئیس القوم عنهم لیکون بصره محیطا بهم ومهیمنا علیهم وهذا المعنی لا یحصل مع التقدم الاتری کیف علم الله تعالی هذا الادب لوطا فقال سبحانه: واتبع أدبارهم (الحجر، ۶۵) فامره عز وجل ان یکون آخرهم علی ان موسی علیه السلام انما اغفل هذا الامر مبادرة الی رضا الله تعالی ومسارعة الی المیعاد۔

اور تفسیر مراغی (۱۳۸/۱۶) پر ہے: والمراد (بهذا السوال) الانکار علیه (ای علی موسیٰ) لان ذلك یقتضی اغفال امرهم وعدم العنایة بهم مع انه مامور باستصحابهم واحضارهم معه وانکار للعجلة في ذاتها ایضا ولا سیما من أولی العزم الذین یجدر بهم مزید الجزم۔

اور زہرۃ التفاسیر (ج (۹) میں ہے: الفاء للسببیة ای بسبب

غيبتك، وعدم قيامك بحق الرقابة النفسية عليهم التي مكناك منها۔

اور ابن عاشور اپنی تفسیر التحریر والتنویر (۱۶/ ۲۷۷۔۲۷۸، مطبوعہ دارسحنون للنشر والتوزیع، تونس) میں لکھتے ہیں: قوله تعالى، وما اعجلک عن قومک يا موسى مانصه۔ والاستفهام مستعمل في اللوم والذي يؤخذ من كلام المفسرين وتشير اليه الآية ان موسى تعجل مفارقة قومه ليحضر الى المناجاة قبل الابان الذي عينه الله له اجتهادا منه ورغبة في تلقى الشريعة حسبما وعده الله قبل ان يحيط بنو اسرائيل بجبل الطور ولم يراع في ذلك الا السبق الى مافيه خير لنفسه ولقومه فلامه الله على ان غفل عن مراعاة ما يحف بذلك من ابتعاده عن الله قومه قبل ان يوصيهم بالمحافظة على العهد ويحذرهم مكر من يتوسم فيه مكرا۔۔۔ وكان ذلك سبب افتتان قومه بصنع صنم يعبدونه۔۔۔وقوله هنا "هم اولاء على اثرى" يدل على انهم كانوا سائرين خلفه وانه سبقهم الى المناجاة واعتذر عن تعجله بانه عجل الى استجابة أمر الله مبالغة فى ارضائه، فقوله تعالى: فانا قد فتنا قومك من بعدك فيه ضرب من الملام على التعجل بانه تسبب عليه حدوث فتنة في قومه ليعلمه ان لا يتجاوز ما وقت له ولوكان لرغبة في ازدياد من الخير۔

اورتفسیر قاسمی المسمی بمحاسن التاویل (۷/ ۱۸۴، مطبوعہ دارالفکر) میں ہے:

وقال الناصر: انما اراد الله تعالى بسؤاله عن سبب العجلة وهو عالم

ان یعلم موسیٰ ادب السفر وھو انه ینبغی تأخر رئیس القوم عنھم في المسیر لیکون نظره محیطا بطائفته ونافذا فیھم ومھیمنا علیھم وھذا المعنی لا یحصل فی تقدمه علیھم الاتری الله عز وجل کیف علم ھذا الادب لوطا فقال واتبع ادبارھم (سورة الحجر /٦٥) فامره ان یکون اخیرھم علی ان موسیٰ انما اغفل ھذا الامر مبادرة الی رضاء الله عز وجل ومسارعة الی المیعاد۔

اور سرخیل علماء دیوبند مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر معارف القرآن (۶/ ۱۳۴) میں تحریر فرماتے ہیں" آپ علیہ السلام کے منصب رسالت کا تقاضا یہ تھا کہ قوم کے ساتھ رہتے، انکو اپنی نظر میں رکھتے، اور ساتھ لاتے، آپ کی عجلت کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا۔

اور استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند مولانا جمال الدین بلند شہری اپنی تفسیر جمالین (۴/ ۲۰۲) میں تحریر فرماتے ہیں: مقصد استفہام نہیں ہے، گو صیغہ استفہام کا ہے بلکہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ آپ کے منصب رسالت کا تقاضا یہ تھا کہ آپ قوم کے ساتھ رہتے اور ان پر نظر رکھتے۔ آپ کی عجلت کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا۔

اور تفسیر روح المعانی میں یہ صراحت ہے کہ چھ لاکھ میں سے پانچ لاکھ اٹھاسی ہزار لوگ فتنہ کا شکار ہو گئے۔ صرف بارہ ہزار ثابت قدم رہ سکے۔

ان تمام تفسیروں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ "و ما اعجلک" میں

استفہام انکاری ہے اور ''فانا قد فتنا'' میں فاء سببیہ ہے البتہ بعض تفسیروں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ استفہام تقریری ہے اور فاء فصیحہ ہے لیکن وہ اتنی کثیر تفسیروں کے مقابلہ میں مرجوح معلوم ہوتا ہے۔

ملاحظہ۔ اس سلسلہ میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ ''وما اعجلك عن قومک یا موسی'' میں قوم سے مراد پوری قوم ہے یا ستر نقباء؟ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ پوری قوم مراد ہے اور بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ستر نقباء مراد ہیں اس سلسلہ میں قول فیصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''و ما اعجلك عن قومک'' میں پوری قوم مراد ہے البتہ جب سامری نے ان کے اکثر لوگوں کو گمراہ کر دیا تو ستر نقباء کو اعتذار کی غرض سے حضرت موسی علیہ السلام لیکر گئے جن میں حضرت ھارونؑ بھی ساتھ تھے۔ چنانچہ درِمنثور (۵/۵۶۹) میں ہے: واخرج ابن ابی عمر العدنی في مسنده وعبد بن حمید والنسائي وابویعلی وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویه عن سعید بن جبیر رضی الله عنه قال: سالت ابن عباس عن قول الله تعالی لموسی علیه السلام: (وفتناك فتونا) في حدیث طویل جدا وفیه: فاستیقن بنو اسرائیل بالفتنة واغتبط الذین کان رأیهم رأی هارون فقالوا: یا موسی سل ربک ان یفتح لنا باب توبة نعملها ونکفر عنا ما عملنا (فاختار موسی قومه سبعین رجلا)۔ اور ابن کثیر کا میلان بھی یہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہی حدیث اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ اور انہی کی دوسری کتاب البدایۃ والنہایۃ (۱/ ۴۲۳، مطبوعہ دار ابی

حیان) میں ہے: عن ابن عباس والسدی وغیرھما: ان ھؤلاء السبعین کانوا علماء بنی اسرائیل ومعھم موسی وھارون ویوشع و ناداب و ابیھوا علیه السلام لیعتذروا من بنی اسرائیل فی عبادة من عبد منھم العجل۔ اور امام بغوی نے اپنی تفسیر (۲/ ۲۳۷) میں اور امام شوکانی نے فتح القدیر (۲/ ۲۸۶) میں اور بیضاوی اور صاحب جلالین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۲) آیت قرآنی: اذکر نی عند ربك فانساه الشیطان ذکر ربه فلبث في السجن بضع سنین (سورة یوسف (۴۲)

مولانا نے اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ مدت قید کے دراز ہونے کا سبب بادشاہ کے یہاں عرضی لگوانا بنا، کہ یوسف کی شانِ نبوت اس سے بہت بلند ہے کہ غیر اللہ سے ذرا سی بھی امید رکھی جائے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر ماثور عرض خدمت ہے۔ ففی الدر المنثور (۴/ ۵۴۱، مطبوعہ دار الفکر) اخرج ابن ابی الدنیا في کتاب العقوبات وابن جریر والطبراني وابن مردویه عن ابن عباسؓ قال قال صلی الله علیه وسلم لولم یقل یوسفؑ الکلمة التي قال مالبث في السجن طول ما لبث حیث یبتغی الفرج من عند غیر الله تعالی۔

واخرج عبد الرزاق وابن جریر وابو الشیخ عن عکرمة قال قال ﷺ لو لا انه یعنی یوسفؑ قال الکلمة التی قال ما لبث في السجن طول مالبث۔

واخرج ابن المنذر وابن ابى حاتم وابن مردويه عن ابى هريرةؓ قال قال ﷺرحم الله يوسف لو لم يقل اذكرني عند ربك ما لبث في السجن طول ما لبث۔

واخرج احمد في الزهد وابن جرير وابن المنذر وابن ابى حاتم وابو الشيخ عن الحسن قال ذكر لنا ان نبى الله ﷺ قال رحم الله يوسف لولا كلمته ما لبث في السجن طول مالبث قوله اذكرنى عند ربك ثم بكى الحسن وقال نحن اذا نزل بنا امر فزعنا الى الناس۔

واخرج ابن جرير وابو الشيخ عن قتادةؒ قال ذكر لنا ان نبى الله صلى الله عليه وسلم قال لولا ان يوسف استشفع على ربه ما لبث فى السجن طول ما لبث ولكن انما عوقب باستشفاعه على ربه۔

واخرج ابن ابى شيبة وعبد الله بن احمد فى زوائد الزهد وابن المنذر وابن ابي حاتم وابو الشيخ عن انسؓ قال اوحى الى يوسفؑ من استنقذك من القتل حين هم اخوتک ان يقتلوك ؟ قال انت يا رب قال فمن استنقذك من الجب اذا القوك فيه ؟ قال انت يا رب قال فمن استنقذك من المرأة اذ هممت بها؟ قال انت يا رب قال فما لک نسيتنى و ذكرت آدميا؟ قال جزعا وكلمة تكلم بها لسانى قال فوعزتى لاخلدنک فى السجن بضع سنين فلبث في السجن بضع سنين۔

واخرج ابن جرير وابن ابى حاتم وابو الشيخ عن الحسن قال لما قال يوسف للساقي اذكرنى عند ربك قيل له يا يوسف اتخذت من دونى وكيلا لأطيلن حبسک فبكى يوسف وقال يا رب تشاغل قلبى من كثرة البلوى فقلت كلمة۔

واخرج ابن ابي شيبة وابن جرير وابن المنذر وابن ابى حاتم عن مجاهد في قوله تعالى وقال للذى انه ناج منهما اذكرنى عند ربك قال يوسف للذي نجا من صاحبي السجن اذكرني للملك فلم يذكره حتى رأى الملك الرويا و ذالک ان يوسف انساه الشيطان ذكر ربه وامره بذكر الملك وابتغاء الفرج من عنده فلبث في السجن بضع سنين عقوبة لقوله اذكرني عند ربك۔

واخرج ابن مردويه من طريق ابى بكر بن عياش عن الكلبى قال قال يوسف كلمة واحدة حبس بها سبع سنين قال ابوبكر وحبس قبل ذلك خمس سنين۔

واخرج عبد الله بن احمد في زوائد الزهد عن عبد الله مؤذن الطائف قال جاء جبريلؑ الى يوسف فقال يا يوسف اشتد عليك الحبس؟ قال نعم قال قل اللهم اجعل لي من كل ما اهمنى و كربنى من امر دنياى وامر آخرتى فرجا ومخرجا وارزقني من حيث لا احتسب واغفر لي ذنبي وثبت رجائى واقطعه من سواك حتى لا ارجو

احدا غيرك۔

لیجیے جسکو تفسیر بالرای کہا جا رہا ہے، تفسیر ماثور میں اسکے علاوہ کچھ مذکور ہی نہیں۔ کیونکہ مذکورہ بالا پورا کلام الدر المنثور فی التفسیر الماثور سے ماخوذ ہے، جس میں صرف تفسیر ماثور ہی کو جمع کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ مذکورہ تفسیر آپ ﷺ سے شہرت کے درجہ تک پہونچ چکی ہے۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس تفسیر پر سلف کا اجماع ہے۔ بلکہ امام مجاہدؒ نے تو جیسا کہ ان سے اوپر نقل کیا گیا، حد ہی کر دی، کہ (انساہ الشیطان) میں ضمیر کا مرجع یوسفؑ کو بنا کر مذکورہ تفسیر قرآن کی عبارۃ النص سے ثابت کر دی۔ اور ابن جریر طبری نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ فقال في تفسيره (ج ۷، ص ۱۳۲، مطبوعہ دار المعرفہ، لبنان) قوله فانساه الشيطان ذكر ربه هذا خبر من الله جل ثنائه عن غفلة عرضت ليوسف من قبل الشيطان نسى لها ذكر ربه الذى لو به استغاث لاسرع بما هو فيه خلاصه ولكنه زل بها فاطال من اجلها فى السجن حبسه واوجع لها عقوبته۔

البتہ ابن جریر نے (۱۲/ ۲۲۴) پر محمد ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ انکی رائے یہ ہے کہ ''انساہ'' کی ضمیر کا مرجع ساقی ہے۔ لیکن اس رائے کو انھوں نے بطور مرجوح کے پیش کیا ہے۔ بلکہ تفسیر بغوی (۲/ ۴۲۸، دار المعرفۃ لبنان) میں ہے:

قال ابن عباس (وعليه الاكثرون): انسى الشيطان يوسف ذكر ربه حتى ابتغى الفرج من غيره۔

نیز شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر میں مدت قید دراز ہو جانے میں بطور حکمت وغیرہ یہ تحریر فرماتے ہیں لیکن ہر ایک شر میں حق تعالی کوئی خیر کا پہلو رکھ دیتا ہے، یہاں بھی گو اس نسیان کا نتیجہ تطویلِ قید کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تاہم حضرت شاہ صاحبؒ کی نکتہ آفرینی کے موافق اس میں یہ تنبیہ ہو گئی کہ ایک پیغمبر کا دل ظاہری اسباب پر نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ بلکہ ابن جریر اور بغوی (ج ۲/ ۴۲۸، مطبوعہ دار المعرفہ، لبنان) وغیرہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ "فانساہ الشیطان ذکر ربہ" کی ضمیر یوسف کی طرف راجع کرتے ہیں۔ گویا "اذکرنی عند ربک" کہنا ایک طرح کی غفلت تھی، جو یوسف کو عارض ہوئی۔ انھوں نے قیدی کو کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا، حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ سب ظاہری سہارے چھوڑ کر وہ خود اپنے رب سے فریاد کرتے۔ بیشک کشفِ شدائد کے وقت مخلوق سے ظاہری استعانت اور اسباب کی مباشرت مطلقا حرام نہیں ہے۔ لیکن ابرار کی حسنات مقربین کی سیئات بن جاتی ہیں۔ جو بات عامۃ الناس بے کھٹکے کر سکتے ہیں، انبیاءؑ کے منصب عالی کے اعتبار سے وہی بات ایک قسم کی تقصیر بن جاتی ہے۔ امتحان وابتلاء کے موقع پر انبیاء کی شان رفیع اسی کو مقتضی ہے کہ رخصت پر نظر نہ کریں۔ انتہائی عزیمت کی راہ چلیں۔ چونکہ حضرت یوسفؑ کا "اذکرنی عند ربک" کہنا عزیمت کے خلاف تھا، اس لیے عتاب آمیز تنبیہ ہوئی، کہ کئی سال تک مزید قید اٹھانی پڑی۔ اور اسی لیے انساء کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی۔ الخ

مزید تفصیل کیلئے دیکھیں تفسیر بیضاوی (۱/ ۴۸۵، دار الکتب العلمیہ (تفسیر

ثعلبی (۲/۲۳۹، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی) تفسیر بغوی (۲/۴۲۸، مطبوعہ دار المعرفۃ، لبنان تفسیر قرطبی (۱۱/۳۵۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) تفسیر نسفی (۲/۲۲۱، دارالمعرفۃ) تفسیر خازن (۳/۳۱، مطبوعہ دارالمعرفۃ) تفسیر مظہری (۵/۱۶۵، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۳)وانفقوا فی سبیل الله ولا تلقوا با یدیکم الی التهلکة (سورة البقرة ۱۹۵)

مولانا نے فرمایا کہ یہاں ہر کار خیر میں خرچ کرنا مراد نہیں۔ بلکہ خاص احیائے دین متین کی کوشش کرنا اور اسمیں خرچ کرنا مراد ہے۔

اسکی تائید درج ذیل تفسیروں سے ہوتی ہے۔

اخرج ابن جریر الطبری (۲/۲۰۴) من طریق اسلم ابی عمران قال کنا بالقسطنطینیة وعلی اهل مصر عقبة بن عامر وعلی اهل الشام فضالة بن عبید فخرج من المدینة صف عظیم من الروم قال وصففنا صفا عظیما من المسلمین فحمل رجل من المسلمین علی صف الروم حتی دخل فیهم ثم خرج الینا مقبلا فصاح الناس وقالوا سبحان الله القی بیده الی التهلکة فقام ابو ایوب الانصاریؓ صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا ایها الناس انکم تتأولون هذه الآیة علی هذا التاویل انما انزلت هذه الآیة فینا معاشر الانصار انا لما اعز الله دینه وکثر ناصریه قلنا فیما بیننا بعضنا لبعض سرا من رسول

الله صلى الله عليه وسلم ان اموا لنا قد ضاعت فلوانا اقمنا فيها فاصلحنا ماضاع منها فا نزل الله في كتابه يرد علينا ما هممنا به فقال "وانفقوا في سبيل الله ولا تلقوا با يديكم الى التهلكة" بالاقامة التى اردنا ان نقيم في الاموال ونصلحها فا مرنا با لغزو فما زال ابو ايوب غا زيا فى سبيل الله حتى قبضه الله۔

وهذا الحديث رواه ايضا سوى ابن جرير: عبد بن حميد وابوداؤد والترمذي وصححه والنسائي وابو يعلى وابن المنذر وابن ابى حاتم وابن حبان والحاكم وصححه والطبراني وابن مردويه والبيهقي في سننه كما في الدر المنثور(١/٥٠٠)

واخرج ابن جرير (٢/٢٠٠) عن حذيفةؓ قال هو ترك النفقة في سبيل الله۔

واخرج (٢/٢٠٢) عن ابن عباسؓ في قوله تعالى ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة قال لا يقولن احدكم اني لا اجد شيئا ان لم يجد الا مشقصا فليتجهز به في سبيل الله۔

وعن عكرمة قال نزلت فى النفقات في سبيل الله۔

وعن الحسن: انهم كانوا يسافرون ويغزون ولا ينفقون من اموالهم فامرهم الله ان ينفقوا في مغازيهم في سبيل الله۔

واخرج (٢/٢٠٢) عن الضحاك قال: التهلكة ان يمسك الرجل

نفسه وما له عن النفقة في الجهاد في سبيل الله

مزید تفصیل کیلئے دیکھیں۔تفسیر بغوی (۲/ ۱۶۴، دار المعرفۃ، لبنان) تفسیر رازی (۳/ ۱۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ) تفسیر بیضاوی (۱/ ۱۰۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ) قرطبی (۳/ ۲۵۸) تفسیر ابی السعود (۱/ ۱۳۷) درمنثور (۲/ ۴۹۹، مطبوعہ دار الفکر) تفسیر ثعلبی (۱/ ۴۰۳، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی) تفسیر مظہری (۱/ ۲۱۵، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) تفسیر قاسمی (۲/ ۱۳۹)

اس سب سے معلوم ہوگیا کہ آیت کا اصل اور سب سے پہلا عمل تو یہی ہے۔ باقی اسمیں دیگر نفقات واجبہ بھی داخل ہو جائیں تو کچھ مستبعد نہیں ہے۔جیسا کہ دیگر بعض مفسرین کی رائے ہے۔معارف القرآن میں ہے،اس آیت سے فقہاء نے یہ حکم بھی نکالا ہے کہ مسلمانوں پر زکاۃ فرض کے علاوہ بھی دوسرے حقوق فرض ہیں۔

(۴) آیت قرآنی فاذا قضيت الصلوة فانتشروا في الارض وابتغوا من فضل الله (سورة الجمعة ۱۰)

مولانا نے فضل اللہ کی تفسیر گشت و ملاقات اور حلقات علم و ایمان سے فرمائی۔

عجیب بات یہ ہے کہ حدیث مرفوع میں یہ تفسیر منقول ہے۔فقد اخرج ابن جرير (۱۲/ ۲۷، مطبوعہ دار المعرفۃ) من حديث انسؓ قال قال ﷺ في قوله تعالى فاذا قضيت الصلوة فانتشروا في الارض وابتغوا من فضل الله قال ليس لطلب دنيا ولكن عيادة مريض وحضور جنازة وزيارة

اخ فی اللہ۔ تو ”زیارۃ اخ فی اللہ“ کا ترجمہ گشت وملاقات سے کرنے سے زیادہ صحیح ترجمہ کیا ہوگا؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفسیر سے اچھی تفسیر کیا ہوگی؟ اور بعینہ یہی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ ففی الدر المنثور (۸/ ۱۷۴، مطبوعہ دارالفکر)

واخرج ابن مردويه عن ابن عباسؓ في قوله تعالى ”فاذا قضيت الصلوة فانتشروا في الارض وابتغوا من فضل الله قال“ لم يؤمروا بشئ من طلب الدنيا انما هو عيادة مريض وحضور جنازة وزيارة اخ في الله۔

لیجیے امام المرسلین کے بعد امام المفسرین سے بھی یہی تفسیر منقول ہوگئی۔ اب اسمیں تفسیر بالرائے کی گنجائش کہاں بچی؟ نیز روح المعانی (۱۴/ ۱۰۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) میں حلقات علم وایمان سے بھی اسکی تفسیر کی گئی ہے۔ نیز تفسیر بغوی (۳۲۵/۴) پر ہے ”وقال الحسن وسعيد بن جبير ومكحول (وابتغوا من فضل الله) هو طلب العلم“ نیز درمنثور ہی میں طبرانی کے حوالہ سے اسی آیت کی تفسیر میں یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے: عن ابي امامة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من صلى الجمعة فصام يومه وعاد مريضا وشهد نكاحا وجبت له الجنة اس سے بھی معلوم ہوا کہ فضل اللہ سے اعمال صالحہ مراد ہیں، نہ کہ دنیاوی فضل۔ مزید برآں یہ کہ آیت کا اخیر ”واذكروا الله كثيرا لعلكم تفلحون“ بھی اسکا واضح قرینہ ہے۔ نیز اس آخری جملہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ”زیارۃ اخ فی اللہ“ سے رواجی ملاقات مراد نہیں۔ بلکہ وہ ملاقات مراد ہے جو کہ یاد الٰہی میں ممد ومعاون ہو۔ اور اہل تبلیغ کا گشت وملاقات کرنا خالصا لوجہ اللہ

اور لوگوں کے دلوں میں اللہ کی یاد پیدا کرنے اور انکو اعمال صالحہ کا شوق دلانے کیلیے ہی ہوتا ہے۔

نیز قرآن وسنت میں اور بھی بہت سی جگہ فضل اللہ سے اعمال صالحہ اور توفیق خیر مراد لیا گیا ہے۔مثال کے طور پر ان میں سے چند کو پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) ولولا فضل الله عليكم ورحمته لا تبعتم الشيطان الا قليلا۔

(۲) ولو لافضل الله عليک و رحمته لهمت طائفة منهم ان يضلوك۔

(۳) و علمک ما لم تكن تعلم وكان فضل الله عليک عظيما

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اتنا ہی نہیں کہ اس تفسیر کی بھی گنجائش ہے، بلکہ یہی تفسیر قوی معلوم ہوتی ہے۔

مزید کیلئے دیکھیے تفسیر بیضاوی (۲/ ۴۹۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ (تفسیر ثعلبی (۵/ ۴۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربي) تفسیر خازن (۴/ ۴۶۸) مطبوعہ دار المعرفۃ) تفسیر مظہری (۹/ ۲۹۷، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) فتح القدیر (۵/ ۲۲۸، مطبوعہ دار الوفاء المنصورہ) تفسیر نسفی (۴/ ۲۶۸، مطبوعہ دار المعرفۃ) روح البیان (۹/ ۵۲۵) زاد المسیر (۴/ ۲۸۴) اللباب في علوم الكتاب (۱۹/ ۹۲) روح المعانی (۱۴/ ۱۰۳، مطبوعہ والکتب العلمیۃ تفسیر ابی السعود (۸/ ۷۶)

(۵) آیت قرآنی: ولذكر الله اكبر (سورة العنكبوت/ ۴۵)

اس کی تفسیر میں مولانا سعد صاحب نے فرمایا کہ اللہ کا بندے کو یاد کرنا مراد ہے۔

اب ذیل میں ہم ان مفسرین کی عبارات مع حوالوں کے پیش کرتے ہیں، جن سے مذکورہ تفسیر منقول ہے۔

اخرج ابن جرير فی تفسيره بسنده (۲۰/۱۵۶) عن عبد الله بن ربيعة قال قال لی ابن عباسؓ هل تدری ما قوله ولذكر الله اكبر؟ قال قلت نعم قال فما هو؟ قال قلت التسبيح هو والتحميد والتكبير في الصلوة وقراءة القرآن ونحو ذلك قال لقد قلت قولا عجيبا وما هو كذلك ولكنه انما يقول ذكر الله اياكم عند ما امر به اونهى عنه اذا ذكرتموه اكبر من ذكركم اياه۔

وفي رواية اخرى: لقد قلت قولا عجيبا وما هو كما قلت ولكن ذكر الله اياكم أكبر من ذكركم اياه۔

وفي رواية: ذكر الله للعبد افضل من ذكره اياه۔

وفي اخرى: ولذكر الله لعباده اذا ذكروه اكبر من ذكركم اياه۔

وفی رواية عنه قال: هو كقوله اذكروني اذكركم فذكر الله اياكم اكبر من ذكركم اياه۔

یہ تمام روایات اور اسکے علاوہ بھی دوسری روایات سب ابن عباسؓ سے منقول ہیں۔جن کو ان سے انکے متعدد تلامذہ نقل کرتے ہیں۔

واخرج ابن جرير ايضا (١٥٧/٢٠) بسنده عن ابن مسعود: (ولذكر الله اكبر) قال ذكر الله العبد اكبر من ذكر العبد لربه۔

واخرج ايضا بسنده عن سلمان الفارسیؓ (ولذكر الله اكبر) قال ذكر الله اياكم اكبر من ذكركم اياه۔

وهكذا رواه ابن جرير عن ابى الدرداءؓ وعن عكرمة وعطية ومجاهد وابى قرة وشعبة۔

وهكذا رواه عن ابن عباسؓ: ابن المنذر وابن ابى حاتم والفريابي وسعيد بن منصور والحاكم وصححه والبيهقي في شعب الايمان۔

ورواية ابن مسعود اخرجها سوى ابن جرير: ابن ابي شيبة وعبد الله بن احمد بن حنبل فى زوائد الزهد۔

وتفسير عطية رواه ابن ابى الدنيا والبيهقى ايضا۔

وتفسير مجاهد رواه عبد بن حميد وابن المنذر وابن ابى حاتم ايضا۔

وروى هذا التفسير ابن السنى وابن مردويه والديلمي عن ابن عمرؓ ايضا۔

ورواه عبد بن حميد عن الحسن ايضا۔ كا في الدر المنثور (٤٦٦/٥، ٤٦٧)

وروی تفسیر ابن عباس عبد الرزاق ایضا في تفسیرہ (۹/۳)

وانظر للمزید تفسیر مجاهد (۴۹۵/۱، مطبوعہ وزارت اوقاف قطر) تفسیر سمرقندی (۲/ ۶۵۳، مطبوعہ دار الفکر، لبنان) تفسیر ثعلبی (۲۹۶/ ۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی) تفسیر نسفی (۳/ ۴۲۳، مطبوعہ دار المعرفہ) تفسیر خازن (۳/ ۴۲۳، مطبوعہ دار المعرفۃ) تفسیر ابن ثیر (۱/ ۱۷۷، وزارت الاوقاف، قطر) تفسیر مظہری (۷/ ۲۰۷، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کویٹہ) (تفسیر قرطبی (۱۳/ ۲۳۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ) تفسیر بیضاوی (۲/ ۲۱۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ) فتح القدیر (۴/ ۲۷۸، مطبوعہ دار الوفاء المنصورہ) درمنثور (۶/ ۲۶۶، مطبوعہ دار الفکر)

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو تفسیر صحابہ میں سے ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابو درداء، اور سلمان فارسیؓ، اور ابن عمرؓ سے، اور تابعین میں سے عکرمہ، مجاہد، حسن بصری، ابوقرۃ، اور عطیہ سے، اور انکے بعد والوں سے بھی منقول ہو، اور جو تفسیر کی بیسیوں کتابوں میں موجود ہو، اور پچاسوں راویوں نے اسکو نقل کیا ہو، وہ بھی اگر تفسیر بالرائے ہے، تو تفسیر ماثور کسے کہیں گے؟ بلکہ اس تفسیر کے قائلین کی کثرت اور دیگر تفسیروں کے قائلین کی قلت کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جمہور سلف کی یہی تفسیر ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے مفسرین نے اسی تفسیر کے راجح ہونے کی صراحت یا اشارہ کیا ہے۔ امام ابن جریر کی صراحت کا ملاحظہ فرمائیں۔ واشبہ هذه الاقوال بمادل عليه ظاهر التنزيل قول من قال ولذكره اياكم افضل من ذكركم اياه۔

نیز یہ تفسیر بقول حضرت ابن عباسؓ کے تفسیر القرآن بالقرآن ہے جو ارجح

التفاسیر ہوتی ہے۔

نوٹ: چونکہ تفسیر بالرائے اور انبیاء کی شان میں بے ادبی کے الزام کسی بھی مسلمان کے حق میں بہت شدید ہیں، اسی وجہ سے انکے جواب میں قدرے تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔

بحمد للہ تفاسیر اہل اعلم کے مقارنہ سے یہ بات صاف اور واضح ہوگئی کہ حضرت مولانا ان دونوں اتہاموں سے بری ہیں کبراءۃ الذئب من دم یوسف۔

نیز اس سب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ مولانا کی تفسیریں تو نقل کی بنیاد پر ہیں، اپنے اجتہاد کی بنیاد پر نہیں۔ جو کہ تفسیر کا چھٹا ماخذ ہے۔ چہ جائیکہ وہ تفسیر بالرائے ہوتیں۔

اعتراض (۳) کیمرے والے موبائل سے متعلق مولانا کے نظریات۔

جواب: مولانا نے کیمرے والے موبائل سے متعلق جو بہت سخت تبصرے کیے ہیں، جن میں بعض تبصرے فتوے کی شکل اختیار کر گئے ہیں، مولانا نے ان سے رجوع کر لیا ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں جو آڈیو، یا اقتباسات، جس تسلسل کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں، وہ قطع و برید سے خالی نہیں ہیں۔ مثلا علمائے سوء والی بات کی اصل عبارت یہ ہے ''علمائے سوء ہیں، علمائے سوء ہیں وہ لوگ، جنھوں نے مشتبہ چیزوں میں تساہل برتا ہے'' (بلفظہ) واضح رہے کہ مولانا کا نظریہ کیمرے والے موبائل سے متعلق وہی ہے جو تمام علمائے حقہ کا ہے، کہ اسکا بے جا استعمال انتہائی مضر ہے۔ خصوصا ان عوام کیلیے جو اسکے نقصانات سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے۔ طلبہ کیلیے

دارالعلوم، مظاہر علوم، اور ندوۃ العلماء وغیرہ میں سخت پابندی اسکی بین دلیل ہے۔ اور عوام الناس موبائل پر موجود رطب و یابس مضامین پر قناعت کی وجہ سے صحبت علماء سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ اور صحیح بات تک پہونچنے کا راستہ بند ہوتا جارہا ہے۔

اعتراض (۴) ہر مسلمان پر قرآن سمجھ کر پڑھنا واجب ہے۔

جواب: وجوب کے اس قول سے مولانا نے رجوع کرلیا ہے۔ البتہ مولانا کی شدت (لفظ وجوب سے رجوع کے ساتھ) دراصل ان تبلیغی احباب پر نکیر ہے، جو غلط فہمی سے اپنی اپنی مساجد میں تفسیر کی مخالفت کر بیٹھے۔ اور حلقات تفسیر یہ کو اس کام کے منافی خیال کیا۔

اعتراض (۵) جدید آلات اور رواجی چیزوں کے ذریعہ تبلیغ سے روکا جاتا ہے۔

جواب: یہ مولانا سعد صاحب کی اپنی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس کام کا قدیمی اصول ہے۔ تذکرہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ (ص ۱۰۵) پر مولانا منظور نعمانیؒ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: اس کام کی تعمیم کیلیے رواجی طریقوں، اخبار، اشتہار، پریس وغیرہ، اور رواجی الفاظ سے بھی پورے پرہیز کی ضرورت ہے۔ یہ کام سارا غیر رواجی ہے۔ رواجی طریقوں سے رواج کو تقویت پہونچے گی۔ اس کام کو نہیں۔ اھ

اعتراض (۶) بعض بیانات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے نزدیک تبلیغ کا یہ کام اصلاح نفس کیلیے کافی ہے۔

جواب: اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ مولانا کے اس نظریہ کی تائید مہتمم

دارالعلوم دیوبند حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے اس وعظ سے ہوتی ہے۔جس کو حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات میں (ص ۱۱۴ تا ۱۱۶) پر تحریر فرمایا ہے۔اسکے بعض اقتباسات عرض ہیں۔

''بہر حال اصلاح نفس کے چار جزء، اور چار طریقے ہیں۔اور تبلیغ کے اندر حسن اتفاق سے چاروں طریقے جمع ہو گئے ہیں۔صحبت صالح بھی ہے، ذکر وفکر بھی ہے، مواخاۃ فی اللہ بھی ہے، اور محاسبۂ نفس بھی ہے۔اور انہی چاروں مجموعوں کا نام تبلیغی جماعت ہے۔عام لوگوں کیلیے اصلاح نفس کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہوسکتا۔اس طریقۂ کار سے دین عام ہوتا جارہا ہے'' (مزید تفصیل حوالۂ مذکور میں دیکھی جاسکتی ہے)

نیز حضرت مولانا مدظلہ کا منشا اس طرح کے بیانات سے یہ ہے کہ تبلیغی چلت پھرت میں علم وذکر کا خوب اہتمام کیا جائے۔ہمارا خروج علم وذکر سے خالی نہیں ہونا چاہیے، ورنہ تو یہ کام ایک رسم بن کر رہ جائیگا۔حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو بھی اسکا بہت قلق تھا کہ کام کرنے والوں میں علم وذکر کی بہت کمی ہے۔

اسی سلسلہ میں مولانا سعد صاحب نے بعض اوقات مرکز میں کام کے شدید تقاضے کی وجہ سے بعض احباب کو اسی طرف متوجہ کیا، کہ اسوقت مرکز میں رہ کر دعوت و عبادت دونوں کو جمع کرنا زیادہ مفید اور افضل ہے۔

اعتراض (۷) نقل وحرکت توبہ کی تکمیل کیلیے ہے۔یہ شرط لوگ بھول گئے۔

جواب: اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ مولانا کے مجموعۂ کلام سے جو بات سمجھ

میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ نقل وحرکت تکمیل توبہ کیلیے شرط ہے، تحقق توبہ کیلیے نہیں۔ تاہم لفظ ''شرط'' اور ''بھول گئے'' کی تعبیر سے جو اشکال پیدا ہوتا ہے، اسکے سبب مولانا مدظلہ نے اس تعبیر سے رجوع کرلیا ہے۔ بلکہ دوسال پہلے بھوپال کے اجتماع میں یہ تعبیر اختیار کی کہ یہ چوتھی بات تو ایک عالم ہی بتا سکتا ہے، عابد نہیں بتا سکتا۔ رہی یہ بات کہ اس چوتھی بات کی اہمیت اور اسکا مرجع کیا ہے؟ تو اسی (یعنی سوقتل سے توبہ کرنے والے سے متعلق) حدیث کی شرح میں قاضی عیاض (اکمال المعلم ج۸، ص۲۶۹، دار الوفاء المنصورہ) پر تحریر فرماتے ہیں ''فيه الحض على مفارقة الانسان المواضع التى اصاب فيها الذنوب، والاقران الذين ساعدوه عليها ومعاداتهم لله تعالى مبالغة فى التوبة وقطع علائقها والأستبدال بذلك صحبة أهل الخير والصلاح ومن يقتدى به ويتأكد بمشاهدته توبته''

اور امام نوویؒ شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں (۲/۳۵۹) قال العلماء:

في هذا استحباب مفارقة التائب المواضع التى اصاب بها الذنوب والاخدان المساعدين له على ذلك ومقاطعتهم ما داموا على حالهم وان يستبدل بهم صحبة اهل الخير والصلاح والعلماء والمتعبدين الورعين ومن يقتدى بهم وينتفع بصحبتهم وتتأكد بذلك توبته۔

علماء کی ان عبارات سے توبہ کیلیے خروج کی اہمیت پورے طور پر واضح ہوگئی۔ البتہ یہ خیال کہ توبہ کیلیے صرف تین شرط ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے، درست نہیں۔ فتح الباری اور قسطلانی وغیرہ میں عبداللہ ابن مبارکؒ وغیرہ سے توبہ کی اور

شرطیں بھی نقل کی گئی ہیں۔

اعتراض (۸) زنا کار لوگ تعلیم قرآن پر اجرت لینے والوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔

جواب۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ مولانا سعد صاحب کا قول نہیں ہے، بلکہ یہ حضرت عمرؓ کا اثر ہے۔ جو حیاۃ الصحابہ (۳/ ۳۳۳) میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے: یا اهل العلم والقرآن! لا تأخذوا للعلم والقرآن ثمنا فتسبقكم الزناة الى الجنة۔

البتہ مولانا کا معمول یہ ہے کہ اسے نقل کرنے کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ تنخواہ وغیرہ تعلیم کا بدل اور اجرت نہیں ہے، بلکہ حبسِ وقت وغیرہ کا بدل ہے۔ معترض نے اس اثر عمرؓ کو مولانا کی طرف منسوب کر کے اور مولانا کی مذکورہ بالا پوری بات کو حذف کر کے خود مولانا پر اعتراض بنا دیا۔

ملاحظہ: یہ اثر حیاۃ الصحابہ اور اس کا ماخذ کنز العمال میں زناۃ (جمع زان) کے لفظ سے مذکور ہے۔ البتہ کنز کا ماخذ خطیب کی الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع کے موجودہ نسخے میں دناۃ (جمع دنی) ہے۔ اور یہ نسخے کا اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن شاید راجح زناہ ہی ہے جیسا کہ مستغفری کی فضائل القرآن میں (رقم ۲۰ پر) یہ اثر لفظ زناۃ (جمع زان) کے ساتھ آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اعتراض (۹) ہدایت ملنے کی جگہ مسجد کے سوا کوئی نہیں۔

جواب: اس عبارت میں تسامح ہے۔ صحیح بات اسطرح ہے کہ ہدایت ملنے کی

اصل جگہ مسجد ہے۔جیسا کہ آیت قرآنی ''انما یعمر مساجد الله من آمن بالله والیوم الآخر واقام الصلاة واتی الزکاة ولم یخش الا الله فعسی اولئک ان یکونوا من المهتدین''۔ اور آیت قرانی ''نور علی نور یهدی الله لنوره من یشاء ویضرب الله الامثال للناس والله بکل شئ علیم في بیوت اذن الله ان ترفع ویذکر فیها اسمه یسبح له فیها بالغدو والاصال رجال لاتلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله'' الآیۃ میں اسکی طرف واضح اشارہ ہے۔نیز آیت قرآنی''ان اول بیت وضع للناس للذي ببکة مبارکا وهدی للعلمین'' میں بیت اللہ کو جو کہ تمام مساجد کی اصل ہے پورے عالَم کیلیے ہدایت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

اعتراض (۱۰) غیر نبی کے خرقِ عادت امور پر معجزہ کا اطلاق۔

جواب۔اس مسئلہ میں ہم نے مولانا مدظلہ سے گفتگو کی،تو انھوں نے فرمایا: میری مراد اس سے یہ تھی کہ حق تعالی کی غیبی مددیں ظاہر کے خلاف انبیاءؑ کیلئے ظاہر ہوئی تھیں، وہ انبیاءؑ کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ انبیاءؑ کی دعوت پر قیامت تک حق تعالے کی ظاہر کے خلاف مددیں ظاہر ہوتی رہیں گی۔اور مزید انھوں نے فرمایا کہ معجزے کی اصطلاح متقدمین کے یہاں علی الاطلاق خرق عادت کے طور پر ہے۔اور تخصیص یہ متأخرین کی اصطلاح ہے۔ چنانچہ مولانا کے اس کہنے کے بعد تلاش کیا گیا تو ابن ابی العز الحنفی کی شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں (۱/ ۴۹۴) پر یہ عبارت ملی ''فالمعجزة فی اللغة تعم کل خارق للعادة وکذلك الکرامة في عرف ائمة اهل العلم المتقدمین

ولكن كثيراً من المتأخرين يفرقون في اللفظ بينهما فيجعلون المعجزة للنبي والكرامة للولي'' تاہم اسکے باوجود مولانا سے درخواست کی گئی کہ متأخرین علماء کی تخصیص کی رعایت کرلی جائے، تو اسمیں غلط فہمیوں سے حفاظت ہے۔ تو مولانا نے قبول فرمالیا۔

اعتراض (۱۱) ایک اعتراض مولانا پر یہ کیا جاتا ہے، کہ وہ کبھی کہتے ہیں خارجی لقمہ لیا جائے گا، اور کبھی کہتے ہیں کہ نہیں لیا جائے گا۔

جواب۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ خارجی لقمہ لیا جائے گا، یعنی مسائل شرعیہ میں، اور نہیں لیا جائے گا، یعنی کام کے اصول اور نہج اور داخلی انتظامی امور میں۔ قاری محمد طیب صاحبؒ کے اس بیان سے اس امر پر مزید روشنی پڑتی ہے، جس کو حضرت شیخؒ نے رسالہ ''جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات'' کے (ص/۹۱) پر نقل کیا ہے، فرمایا کہ: اعتراضات تو وہ قابل قبول ہیں، جو کام میں گھس کر کیے جائیں، اور جو باہر بیٹھ کر اعتراضات کرے، وہ قابل قبول نہیں ہوا کرتے۔ اگر اندر گھس کر کوئی اعتراض کرے، تب تو ٹھیک ہے، لیکن اندر گھسنے والا کوئی اعتراض کرتا نہیں، کیونکہ داخل ہونے کے بعد اس کام کا فائدہ معلوم ہوجاتا ہے۔ اھ

اعتراض (۱۲) سنت کی تقسیم میں نئی اصطلاح۔

جواب۔ حضرت مولانا مدظلہ نے اتباع سنت کی دعوت دیتے ہوئے یہ فرمایا: ''ہمیں ہر چیز میں سنت کا اتباع کرنا چاہیے: دعوت میں، عبادت میں اور عادات میں۔ لہذا ہمیں اہتمام کرنا چاہیے سنتِ دعوت، سنت عبادت اور سنت عادت کا۔''

معترض کہتا ہے کہ ہم نے فقہا کے یہاں ۲ رقسمیں پڑھی ہیں: سنتِ عبادت، سنتِ عادت۔ یہ تیسری قسم: سنتِ دعوت کہاں سے آئی؟

محترم! فقہا جسے ''سنن ہدیٰ'' کہتے آئے ہیں دراصل یہ اسی کا ترجمہ تشریح یا تعبیر بصورتِ تقسیم ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ''تواتر'' کی اقسام اربعہ، جب سب سے پہلے علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیں۔ تو علماء نے ان کی تقسیم پر انہیں خراج تحسین پیش کیا نہ کہ اعتراض اور بے جا انتقاد۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ (فتح الملہم: ۱/۶) میں رقم طراز ہیں: واول من ربع القسمة، وسمى كل قسم باسمه۔ فيما نعلم۔ الشيخ العلامة الانور۔ اطال الله بقاءه۔ وهو تقسيم حسن۔ والله اعلم۔ یعنی سب سے پہلے تواتر کی اقسام اربعہ بیان کرنے والے۔ جہاں تک میرا علم ومطالعہ ہے حضرت العلامہ انور شاہ کشمیریؒ ہیں۔ اللہ ان کے سایہ کو تادیر قائم رکھے۔ حضرت کی یہ تقسیم ایک بہتر تقسیم ہے۔ الخ

نیز عرض یہ ہے کہ اگر معترض کا خیال یہ ہے کہ دعوت، سنت سے خارج ہے تو یہ خیال بالکل غلط ہے۔ فقد قال الله تعالى: قل هذه سبيلي ادعو الى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني۔ قال ابن كثير: اى ان هذه طريقته ومسلكه وسنته۔

اور اگر معترض کا اعتراض صرف اتنا ہے کہ سنن ھدی کو تقسیم کرنے کی ضرورت کیا پیش آئی تو اس کا جواب واضح ہے کہ اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کو مستقل

ایک قسم قرار دیا گیا جیسا کہ مذکورہ آیت سے واضح ہے۔

اعتراض (۱۳) عصری تعلیم اور سائنس تمہیں گمراہ کردے گی۔

جواب: تعجب ہے! علماء (اگر چہ وہ بعض یا ایک ہی صحیح) عصری تعلیم کے ہدایت ہونے کی شہادت دیں گے، تو پھر مغرب (انگریزوں) کا کام کیا رہ جائے گا!!!؟

ڈسے ہوئے سے زہر کا مزہ پوچھو:

حضرت مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ لکھتے ہیں ''مغربی فلسفیوں اور مادہ پرست فرنگیوں نے اپنی تاریخی، بلکہ طبی کتابوں تک سے اسلام کو داغ دار کر رکھا ہے (معاصرین: ۲۷)۔ مولانا کی دوسری کتاب (سیاحت ماجدی/ ۱۰۵) میں ہے ''لائبریری میں ایک کتاب نظر پڑی، موضوع مذہب نہیں، تاریخ وادب تھا، دنیا کے مشاہیر کے ادب پارے اس میں جمع تھے، قرآن کے اقتباسات بھی، اسی کتاب میں پورے صفحہ پر تصویر نعوذ باللہ عرب مصنف قرآن کی یعنی ہمارے حضور اکرم ﷺ کی درج تھی۔ اور یہ نہ پوچھیے کہ کس درجہ زہر میں بجھی ہوئی تھی، صاف ایک جلاد قسم کے ڈاکو کی معلوم ہوتی تھی۔ نیچے تصویر کا تاریخی حوالہ بھی درج تھا''

''دوسری کتاب جس کا موضوع بھی مذہب نہیں، بلکہ طب تھا، بدبخت نے یہ کمال کیا تھا کہ مرض صرع (epilepsy) کا بیان کرتے کرتے ایک دم سے بیان اسمیں یہ لے آیا کہ انبیاء کی بعض مشہور ترین اور عظیم ترین ہستیاں بھی اس قسم کے مرض میں مبتلاء رہی ہیں۔ چنا چنہ نزول وحی کے وقت کے آثار وعلامات کا شمار آثار مرض

میں کر ڈالا‘‘

ڈسے ہوئے کی چیخ۔

حضرت مولانا رقم طراز ہیں’’اب فرمایئے کہ ایک سادہ مسلم نوجوان کے دل و دماغ پر پیہم حملے جب اسی قسم کے ہونگے، تو وہ بے چارہ اپنے ایمان کو کب تک سلامت رکھ سکتا ہے؟ نتیجہ قدرتاً وہی نکلا جو نکلنا تھا، قلب میں الحاد اور ارتیاب پیوست ہو گیا۔ اور دماغ اپنے آپکو مسلم کہلانے کے بجائے نیشنلسٹ، ایگناسٹک کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگا‘‘

یہ گفتگو اعتراض کی حقیقت کے طور پر تحریر کر دی گئی ہے، ورنہ حضرت مولانا مدظلہ کا موضوع عصری تعلیم کے گمراہ کن ہونے کو بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ عصری تعلیم پر اکتفا کرنا، اور اپنے کو پڑھا لکھا سمجھ کر علوم نبوت سے بے بہرہ رہنا، اور علماء کی صحبت اختیار نہ کرنے کو غلط اور گمراہی قرار دینا ہے۔

اعتراض (۱۴) دعوت الی اللہ کی ترتیب کیلیے عشاء کی نماز کو دیر تک مؤخر کر دیا، گویا دعوت اصل مقصود ہے، اور دعوت کی اہمیت نماز سے زیادہ ہے!۔

جواب۔ اس سلسلہ میں اطلاعاً عرض ہے کہ عشا کی نماز کو ثلث لیل تک مؤخر کرنا ہی حنفیہ کے یہاں مستحب ہے۔ یہی مرکز کا عام طور سے معمول ہے۔ اور اس سے زیادہ کی تاخیر شاید کبھی نہیں ہوئی، مگر معمولی۔ حالانکہ تاخیر الی نصف اللیل بلا کراہت جائز ہے۔ ویسے اس سلسلہ میں حیاۃ الصحابہ (۱۸۱/۳) کا ایک باب بھی پیش ہے:

اشتغال الامام بحوائج المسلمین بعد الاقامة، اخرج عبدالرزاق عن

اسامة بن عمير فال كانت الصلوة تقام فيكلم الرجل النبي صلى الله عليه وسلم فی حاجة تكون له فيقوم بينه وبين القبلة فما يزال قائما يكلم فربما رايت بعض القوم ينعس من طول قيام النبی صلى الله عليه وسلم كذافی الكنز واخرج عبدالرزاق ايضا و ابوالشيخ فی الاذان عن انسؓ مثله كما في الكنز و عندا بن عساكر عن انس ان الصلوة كانت تقام بعشاء الآخرة فيقوم النبی صلى الله عليه وسلم مع الرجل يكلمه حتى يرقد طوائف من الصحابة ثم ينتبهون الى الصلوة۔كذافي الكنز۔

واضح رہے کہ یہ استدلال حضرت مولانا یوسفؒ کا ہی نہیں ہے بلکہ اس حدیث سے اسی طرح کا استدلال امام بخاری کر چکے ہیں۔ دیکھئے کتاب الاذان میں باب الامام تعرض له الحاجة بعد الاقامه اور باب الكلام اذا قيمت الصلوة اور کتاب الاستیذان میں باب طول النجوی۔ حافظ ابن حجر باب اول کی شرح میں فرماتے ہیں: وفيه جواز الفصل بين الاقامة والاحرام اذا كان لحاجة۔

اعتراض (۱۵) اجتماعی اعمال کے ذرات کو انفرادی اعمال کا پہاڑ بتایا جاتا ہے۔

جواب: تو اسمیں تعجب اور تحیر کی کیا بات ہے!؟ انفرادی اعمال آدمی کی ذات تک محدود رہتے ہیں۔ اور اجتماعی اعمال کا نفع ساری امت اور انگنت انسانوں کو ہوتا ہے، مثلاً مدارس میں ''اجتماعی عمل'' اسباق ہیں۔ اگر کوئی طالب علم سبق چھوڑ کر نماز، تلاوت، ذکر اور تسبیح میں مشغول ہو جائے، اور کوئی استاذ اسے نصیحت کرتے ہوئے

یوں کہے: عزیز من! انفرادی اعمال کا ایک پہاڑ اجتماعی عمل یعنی سبق کے ایک ذرہ کی برابری نہیں کرسکتا، تو اسمیں غلط کیا ہوگیا؟

اسی طرح اگر کوئی شخص اجتماعی نماز چھوڑ کر انفرادی طور پر ہزار بار بھی پڑھ لے، تو یہ پہاڑ اس ذرہ کا مقابلہ نہیں، اور کبھی نہیں کرسکتا۔

دراصل اکیلے دین پر چلنا، اور مجتمع ہوکر دین پر چلنا، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آج یہ ملحوظ نہیں رہا۔ حتی کہ اجتماعی اعمال ہی ختم ہوکر رہ گئے۔ یا محدود ہوکر رہ گئے۔ اور اللہ رب العزت کی وہ مددیں، جو من حیث الامہ تھیں رک گئیں۔ واللہ اعلم۔

واضح رہے کہ اس قول کے قائل حضرت مولانا مدظلہ نہیں ہیں، بلکہ ناقل ہیں یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے منقول ہے۔ اور راوی مفتی زین العابدینؒ ہیں شیخ نے ان کو خط میں یہ لکھا تھا۔ اس کو انہوں نے رائیونڈ میں بیان کیا تھا۔

اعتراض (۱۶) طریق نبوت، اور طریق ولایت کو الگ الگ بیان کرنا۔

جواب: اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ طریق ولایت در اصل اپنی ذات پر محنت کرنے کا نام ہے۔ اور طریق نبوت اپنی ذات پر محنت کرنے کے ساتھ ساتھ امت پر محنت کرنے کو کہتے ہیں۔ دراصل اس مضمون کا اصل ماخذ حضرت مجدد صاحبؒ کے مضامین وتحریرات ہیں۔ اور حضرت کے افادات اسقدر اہم ہیں کہ علماء نے انھیں اپنی تفسیروں تک میں جگہ دی ہے۔ دیکھیے قاضی ثناء اللہ صاحبؒ تفسیر مظہری

(ج ۶، ص/ ۱۵۷) میں تحریر فرماتے ہیں "قالوا مقتضى الولاية: الاستغراق والتوجه الى الله سبحانه وتعالى ومقتضى النبوة التوجه الى الخلق والتحقيق ما حقق المجدد الالف الثانیؒ ان النبوة هي الافضل من الولاية ..... بل التوجه الى الخلق لما كان باذن الله سبحانه وتعالى وعلى حسب امره ومرضاته فهو ايضا فى المعنى: التوجه الى الله سبحانه وتعالى۔

فاني في الوصال عبيد نفسى
وفى الهجران مولى للموالي

ترجمہ: جب مجھے محبوب کا وصال حاصل ہو جاتا ہے، تو اسوقت میں حقیقتاً اپنے نفس کا غلام ہوتا ہوں۔ اور جب ہجر میں اسے یاد کرتا ہوں، اور تڑپتا ہوں تو واقعتاً محبوب کا غلام معلوم ہوتا ہوں۔

یعنی ولایت کا مقتضی اللہ جل شانہ کے ساتھ ہمہ تن مشغول رہنا ہے، اور نبوت کا تقاضا یہ ہے کہ خلق خدا کے ساتھ بھی مشغول رہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہی دوسری بات زیادہ افضل و بہتر ہے۔ کیونکہ جب خلق خدا کیساتھ مشغول ہونا، بموجب امر الٰہی ہی ہے، اور اسی کی رضا کیلیے ہے، تو یہ بھی معنی توجہ الی اللہ ہے۔

قاضی صاحبؒ اس امر کی علت افضلیت کی طرف لطیف اشارہ فرما رہے ہیں کہ خلق خدا کیساتھ مشغول ہونا (دعوت الی اللہ کے ذریعے) نفس پر بار ہے،

بمقابلہ حق تعالی کے ساتھ مشغول ہونے کے (عبادت کے ذریعہ)

حقیقت بھی یہی ہے کہ عبادتیں لذیذ معلوم ہوتی ہیں، بمقابلہ کسی مسلمان کی خوشامد کرنے، اور اسے اللہ سے ملانے کے۔

آج طریقۂ نبوت کی افضلیت کا بتلانا، بلکہ جھنجھوڑ کر امت کو اسکی طرف لانا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ مسلمانوں کی حالت، انکے اپنے دین کے حوالہ سے بد سے بدتر ہوچکی ہے۔ اور اس حال زبوں پر رونے والوں کا قحط آیا ہوا ہے۔ سچ فرمایا تھا عارف تھانویؒ نے اللہ انکی قبر پر اپنی رحمت کی لاکھوں پھواریں برسائے۔ ''مسلمانوں میں دعوت الی اللہ کا باب ہی گم ہوگیا ہے۔ حتی کہ جہاں قدرت ہے وہاں بھی نہیں۔ اور جہاں قدرت نہیں، وہاں کا تو پوچھنا ہی کیا؟۔ ہمارے بزرگ وہ تھے، کہ جہاں قدرت نہ تھی، وہاں بھی دعوت الی الحق سے باز نہ رہتے۔ اور ہم ہیں کہ قدرت کی جگہ بھی نہیں کرتے (تجدید تعلیم وتبلیغ ۱۹۹، ۱۹۸)

اعتراض (۱۷) یہ بات بھی سننے میں آئی کہ موجودہ تبلیغ، اکابر ثلاثہ کے نہج سے ہٹ گئی۔ اور اب اسکے گمراہی کا سبب بننے کا خطرہ ہوگیا ہے۔

جواب: اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہ اعتراض کوئی نیا نہیں ہے۔ قریب قریب ہر دور میں یہ اعتراض دہرایا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے رسالہ ''جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات'' میں (۱۸ نمبر) پر یہی اشکال، اور اسکا جواب مرقوم ہے۔ جسکے بعض اقتباسات پیش ہیں۔

حضرت شیخ (ص ۱۱۶) پر فرماتے ہیں ''میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ

کیا موجودہ دارالعلوم دیوبند اسی طرز پر باقی ہے، جو حضرت نانوتوی قدس سرہ، اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے دور میں تھا؟ کیا مظاہر علوم سہارن پور اب اسی طریقہ اور اصول پر ہے، جو حضرت مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہ۔ اور حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نور اللہ قدہ کے دور میں تھا؟ کیا موجودہ جمعیت علمائے ہند وہی جمعیت ہے، جو حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا کفایت اللہ صاحب کے دور میں تھی؟ کیا موجودہ خانقاہیں وہی ہیں، جو حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے زمانے میں تھیں، اور اگر وہ نہیں ہیں تو کیا ساری گمراہی وضلالت ہیں؟ تو کیا یہ سارے ہی ادارے اور ان جیسے سارے ہی ادارے اب ضلالت و گمراہی بن گئے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ ''میرا زمانہ سب سے بہتر زمانہ ہے، پھر اسکے بعد کا زمانہ، پھر اسکے بعد کا زمانہ۔'' اس لیے خیر القرون سے جتنا بھی بعد ہوتا جائیگا ظاہر ہے کہ وہ صلاح وفلاح خیر و برکات ہرگز نہیں رہ سکتیں جو سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں تھیں۔ تو کیا اب اسلام کو ضلالت و گمراہی کہا جائیگا؟ اور آگے فرماتے ہیں ''اکابر کے دور کی برکات اور انکے انوار بعد میں ڈھونڈنا یا بعد والوں کو انکے معیار پر جانچنا، نادانی کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟

اسی ذیل میں آگے فرماتے ہیں (ص ۱۱۸) پر حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے اپنے ایک ملفوظ میں فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ہم اپنی وضع پر نہیں رہے۔ ہم اپنے بزرگان سلف کی سوانح دیکھتے ہیں کہ انکا برتاؤ دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوتے تھے (افاضات یومیہ) کیا خدانخواستہ نعوذ باللہ خانقاہ اشرفیہ حضرت تھانویؒ کے

دور میں ضلالت و گمراہی بن گئی تھی؟ جبکہ وہ اپنے اکابر کے طرز پر نہیں رہی تھی۔ یہ ناکارہ اپنے رسالہ آپ بیتی جلد اول کے ختم پر اپنے اکابر اور اسلاف کا طرز، مدارس کے معاملے میں اور اوقاف کے سلسلہ میں کئی واقعات لکھ چکا ہے۔ جن پر عمل تو درکنار موجودہ اہل مدارس کے حلق کے تلے بھی نہیں اترتے۔ تو کیا ان سب مدارس کو گمراہی کہدیا جائیگا، جنکا وجود موافق ومخالف سب کے نزدیک نہایت ضروری ہے۔ ان سب کے باوجود مجھے نہ تبلیغ والوں کو معصوم بتانا ہے، نہ انکی بیجا حمایت کرنی ہے، نہ انکی غلطیوں سے انکار ہے۔ اھ۔

اعتراض (۱۸) ایک اعتراض یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کے اس کام کی اہمیت کو اس طرح سے بیان کیا جارہا ہے، جس سے دین کے دیگر شعبوں کا استخفاف ہورہا ہے۔

جواب: اس سلسلہ میں مولانا سعد صاحب کے وہ بیانات کافی ہیں جو علم اور علماء اور مدارس دین کے بارے میں نہایت اہتمام کے ساتھ کئے گئے ہیں جن کا رکارڈ ہر جگہ محفوظ ہے اور مرکز بنگلہ والی میں جماعتوں کی روانگی کے وقت اکثر ہوتے ہیں اس سے اندازہ لگانا آسان ہے کہ دعوت وتبلیغ کے اس کام کی اہمیت کے ساتھ دین کے دیگر شعبوں کا کمال اہتمام مولانا کے بیانات میں کس قدر ہوتا ہے جس کے بعد مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔

فقط والسلام